مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

بیمے کی شرعی حیثیت اور اس کا متبادل حل

بیمے کی ابتدا خالص انسانی ہمدردی کے جذبے سے شروع ہوئی تھی۔ تقریباً ۱۴۰۰ء میں اٹلی کے تاجروں میں سے ایک تاجر کا جہاز سمندر میں غرق ہوگیا اور وہ انتہائی تنگ دست ہوگیا۔ دوسرے تاجروں نے اس کے ساتھ تعاون کیا اور اس کے لیے کچھ رقم اکٹھی کرکے اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔

چونکہ ایسے حادثات کا آئندہ بھی امکان تھا لہٰذا ان تاجروں نے آپس میں ایک تجویز منظور کی کہ آئندہ تمام تاجر ہر ماہ یا ہر سال جیسی بھی صورت ہو، ایک معین رقم ادا کر دیا کریں تاکہ اس فنڈ سے اس قسم کے حوادث و خطرات کے نقصان کا کسی حد تک تدارک کیا جا سکے۔

لیکن آہستہ آہستہ امدادِ باہمی کا یہ ادارہ کاروباری شکل اختیار کرنے لگا اور ایسے ادارے کا نام انشورنس کمپنی (INSURENCA COMPANY) تجویز ہوا۔ انشورنس ور یقین دہانی" کو کہتے ہیں۔ بیمہ بھی انگریزی لفظ "انشورنس" کا ترجمہ ہے۔ گویا بیمہ کمپنی ایک ایسا ادارہ ہے، جو آفات و حوادث کے وقت نقصان کی تلافی کی یقین دہانی کراتا ہے۔

ابتداءً املاک (مثلاً بس، ٹرک، جہاز، عمارات) کا بیمہ شروع ہوا۔ بعد ازاں انسانی زندگی کا بھی بیمہ ہونے لگا۔ آج کل اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہو چکا ہے۔ انسان کے ایک ایک عضو کا بیمہ، جانوروں کا بیمہ اور بعض ذمہ داریوں (مثلاً بچوں کی تعلیم اور شادی وغیرہ) کا بھی بیمہ کیا جاتا ہے۔

بیمے کے کاروبار کو بیشتر ممالک میں حکومت کی سرپرستی حاصل ہے اور بعض اوقات تو مجبوراً زندگی اور املاک کا بیمہ کرانا پڑتا ہے۔ ۱۹۷۳ سے پہلے ہمارے ملک میں کمپنیاں نجی طور پر بیمے کا کاروبار کرتی تھیں لیکن ۱۹۷۳ء میں حکومت نے ان کو اپنی تحویل میں لے لیا اور سب کمپنیوں کو مدغم کرکے سٹیٹ لائف کے نام سے اس کاروبار کو مزید فروغ بخشا۔ آج کل ہر سرکاری و نیم سرکاری ملازم، نیز ہر صنعتی اور تجارتی ادارے کے ملازم کا بیمہ لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اس کی موت یا حادثے کی صورت میں مقررہ رقم

اس کے ورثا کو مل جاتی ہے، جو حکومت یا متعلقہ ادارہ ادا کرتا ہے۔

بیمے کی شرائط

ایک شخص اگر اپنی زندگی کا بیمہ کرانا چاہے تو اس کا طریق کار یہ ہے کہ بیمہ کمپنی کا ڈاکٹر اس کی صحت کا بیمہ کرکے اندازہ کرتا ہے کہ یہ شخص اتنی مدت مثلاً بیس سال تک طبعی طور پر زندہ رہنے کے قابل ہے۔ اب بیمہ کمپنی اور بیمہ دار کے درمیان ایک معاہدہ طے پاتا ہے۔ بیمہ دار جتنی رقم کا بیمہ کرانا چاہتا ہے، اسے سالانہ اقساط میں تقسیم کرکے بالاقساط بیمہ کمپنی کو ادا کرتا رہتا ہے۔ شرائط بالعموم یہ ہوتی ہیں:

۱۔ اگر بیمہ دار اپنی مدت مقررہ تک زندہ رہے، اور اقساط ادا کرتا رہے، تو اس مدت کے اختتام پر اس کو اس کی تمام جمع شدہ رقم مع مقررہ شرح کے سود — جسے بیمہ کمپنی کی اصطلاح میں ایک معصوم سا نام "بونس" (زائد منافع) دیا گیا ہے — ادا کر دی جاتی ہے۔

۲۔ اگر دوران مدت بیمہ، بیمہ دار طبعی طور پر یا کسی حادثے کے نتیجے میں مر جاتا ہے تو اس کی اب تک کی جمع شدہ رقم مع سود اس کے ورثا کو — جنھیں وہ خود ہی نامزد کر چکا ہوتا ہے — مل جاتی ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ادا شدہ اقساط کی مدت جتنی کم ہوگی یا بالفاظِ دیگر بیمہ دار جتنی جلدی مرتا ہے شرح سود اسی نسبت سے زیادہ ہوتی ہے۔

۳۔ اگر بیمہ دار کسی خاص مجبوری سے یا بالارادہ اقساط دینا چھوڑ دے تو پہلی ادا کردہ اقساط بحق کمپنی ضبط متصور ہوتی ہیں۔ الّا یہ کہ پالیسی پھر سے شروع کر دی جائے اور غیر ادا شدہ اقساط یکمشت ادا کر دی جائیں۔

آج کل اس شق میں یہ ترمیم کی گئی ہے کہ پالیسی ختم کرنے والے کو کل ادا شدہ رقم کا ۶۰٪ رقم واپس مل جاتی ہے۔

املاک یا بیمے کی دوسری اقسام میں بھی اس سے ملتی جلتی شرائط طے پاتی ہیں۔

بیمہ پالیسی کا اسلامی نقطہ نظر سے تجزیہ

غور کیا جائے تو بیمہ پالیسی چند در چند شرعی جرائم و منہیات سے ترکیب پاتی ہے، جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ شرط نمبر ۱ میں اصل ادا شدہ رقم سے زائد (مقررہ شرح سے) جو رقم ملتی ہے، وہ سود ہے، جس

کی حرمت میں کسی قسم کا شک نہیں۔

۲۔ شرط نمبر ۲ کے مطابق جو آدمی ایک آدھ قسط ادا کرنے کے بعد مرجاتا ہے، تو اسے اس کی ادا کردہ رقم سے کئی گنا زائد رقم مل جاتی ہے، جو قمار یا جوئے سے مشابہت رکھتی ہے۔ تھوڑی سی محنت پر اتفاقی طور پر بہت زیادہ رقم مل جانے کو ہی قمار کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے قمار یا جوئے کے لیے "میسر" کا لفظ استعمال کیا ہے، جو بالکل یہی مفہوم ادا کرتا ہے۔

۳۔ شرط نمبر ۲ شرعی احکام وراثت کو بھی متاثر کرتی ہے، کیونکہ اگر ایک شخص اپنی بیوی یا بیٹے کو اپنا وارث نامزد کرتا ہے تو کمپنی اسی خاص آدمی کو رقم حوالے کرنے کی پابند ہوتی ہے، جبکہ عام حالات میں اگر کوئی شخص ایسی غلط وصیت کر بھی جائے تو وہ قانوناً غیر مؤثر ہوتی ہے۔ غلط قسم کی وصیت بجائے خود ایک گناہ ہے۔ لیکن قرآن کے واضح احکام کے سامنے اس وصیت پر کوئی عمل پیرا نہیں ہوتا، نہ قانوناً ہو سکتا ہے اور نہ دوسرے وارث اسے ہونے دیتے ہیں۔ لیکن بیمہ کمپنی کی شرائط کی رو سے — جسے عموماً حکومت کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے — نامزد وارث دوسرے وارثوں کا حق غصب کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

۴۔ ایسے واقعات بھی سننے میں آتے ہیں کہ نامزد وارث بیمہ دار کو — محض حصولِ زر کی خاطر — کسی حیلے بہانے موت کے گھاٹ بھی اتار دیتا ہے۔ اسے یہ تو پہلے ہی یقین ہوتا ہے کہ دوسرے وارث اس رقم سے حصہ نہیں بانٹ سکتے۔ یہ "یقین دہانی" اسے قتل جیسے جرم کے ارتکاب کے لیے دلیر کر دیتی ہے۔ املاک کے بیمہ دار اپنی املاک کو اپنے ہاتھوں تلف کرتے دیکھے گئے ہیں۔ ایسی ہی صورت بیمے کی دوسری شکلوں میں بھی ہے۔

۵۔ بیمے کی شرط نمبر ۳ کے مطابق اگر کوئی شخص بیمہ جاری نہیں رکھ سکتا، اور کسی مجبوری کی بنا پر پالیسی سرنڈر (SURRENDER) یعنی ختم کرنے پر مجبور ہے تو اسے ادا کردہ رقم کے ۴۰٪ — بحق بیمہ کمپنی — سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ شریعت اس رقم کو ضبط کرنے کی قطعاً اجازت نہیں دیتی، اور یہ تجارت کے متعلق قرآن کے حکم "عن تراضٍ منکم" کی صریح خلاف ورزی ہے۔

۶۔ شرط نمبر ۳ کے مطابق نہ تو بیمہ دار کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنی قسطیں ادا کرے گا اور نہ بیمہ کمپنی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا وصول کر سکے گی اور اسے کیا کچھ ادائیگی کرنا پڑے گی۔ لہٰذا یہ "اندھا سودا"

یا بیع غرر (دھوکے والی بیع) ہے، جو قطعاً ناجائز ہے۔

بیمے کے مزعومہ فوائد اور ان کا شرعی متبادل حل

بیمہ پالیسی کے عموماً مندرجہ ذیل فوائد بیان کیے جاتے ہیں۔ سماجی تحفظ کے نام سے اسے مقبول بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۱۔ اس صورت میں ایک شخص کی رقم آسانی سے اقساط میں جمع ہوتی رہتی ہے جو ایک طویل مدت معینہ کے بعد منافع (سود) سمیت اسے واپس مل جاتی ہے۔ گویا سرمایہ بھی محفوظ رہتا ہے اور اس میں اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے۔

۲۔ حوادث کی صورت میں نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے

۳۔ متوفی کا بڑا بیٹا اگر خود سر ہو تو وہ جائز وارثوں یعنی ماں اور اپنے چھوٹے بھائیوں کا حق غصب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جبکہ بیمہ کمپنی متوفی کی آرزو کے مطابق اس کے نامزد کردہ وارث یا وارثوں کو یہ رقم ادا کرتی ہے۔ علاوہ ازیں بڑا بھائی چھوٹے بھائیوں کی تعلیم و تربیت میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ "ذمہ داری" کے بیمے کی صورت میں بیمہ کمپنی ایسی اولاد کی اعلیٰ تعلیم اور شادیوں کے اخراجات کی کفیل ہوتی ہے۔

۴۔ ایک غریب آدمی کے لیے عام حالات میں کچھ رقم پس انداز کرنا یا ترکہ چھوڑنا مشکل ہوتا ہے۔ بیمہ پالیسی کی صورت میں تھوڑی تھوڑی جمع شدہ رقم یتیموں اور بیواؤں کا سہارا بنتی اور آڑے وقت میں ان کے کام آتی ہے۔

تھوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ مندرجہ بالا تمام تر صورتِ احوال سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام ایک مخصوص ذہن عطا کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص محض اپنا ہی فائدہ سوچتا ہے۔ اور یہ بات اسلامی معیشت کی رُو سے سراسر منافی ہے، جس کا پہلا سبق ہی یہ ہے کہ:

لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ (مشکوٰۃ)

یعنی کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں، جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے

لہذا اسلامی نظام معیشت میں ان مندرجہ بالا صورتوں میں سے کچھ تو پیدا ہی نہیں ہوتیں اور اگر کچھ ہوتی ہیں تو ان کا واضح حل موجود ہے۔

اب ہم علی الترتیب مندرجہ بالا "فوائد" کا جائزہ لیں گے:

۱۔ جہاں تک سرمایہ کے جمع ہونے، اس کے تحفظ اور اس میں اضافے کا تعلق ہے، تو یہ کاروبار یا تجارت کی صورت میں بیمہ یا بنک سے بہتر بھی ہو سکتا ہے۔ یہ تو واضح بات ہے کہ تجارت میں منافع سود سے زیادہ ہوتا ہے۔ ورنہ دنیا سے کاروبار مفقود ہو جاتا اور سود پر رقوم لینے والے بنک اور بیمہ کمپنیاں بھی بالآخر کاروبار ہی کرتے ہیں۔ تو گویا ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ کاروبار سود کے بجائے تجارتی بنیادوں پر ہو۔ چاہے یہ کاروباری ادارے بنک ہوں یا بیمہ کمپنیاں یا مشترکہ سرمائے کی کمپنیاں یا دوسرے بھی ادارے۔ یعنی اصل مسئلہ ان اداروں کو سود سے پاک کرنے کا ہے، نہ کہ عوام کو سودی کاروبار میں پھنسانے کا۔ یہ مسئلہ فی الحقیقت حکومت کی توجہ کا طالب ہے۔ تاہم اگر یہ ادارے چاہیں تو خود بھی اپنا کاروبار شرعی تجارت کے خطوط پر چلا سکتے ہیں، اور ایسے اداروں کی نشان دہی بھی کی جا سکتی ہے، جو بلا سود تجارتی کاروبار کرتے، لوگوں سے ان کی بچتیں وصول کرتے اور انھیں نفع تقسیم کر دیتے ہیں۔ ایسے اداروں میں رقوم جمع کرانے سے جہاں مطلوبہ تمام فوائد حاصل ہوتے ہیں، وہاں سود کی کسک سے انسان کو نجات مل جاتی ہے اور وہ حلال کمائی پر مطمئن بھی ہوتا ہے۔

۲۔ حوادث کے موقع پر نقصان کی تلافی: اسلامی نظام معیشت میں ایسی صورتوں میں حسب ضرورت بیت المال کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور بیت المال کی ذمہ داری ہے کہ وہ مناسب امداد فراہم کرے۔ لیکن ہم کو اسے اسلامی نظام پر معلق نہیں رکھنا چاہیے کہ کب بیت المال قائم ہو اور اس مسئلے کا متبادل حل سامنے آئے۔ موجودہ دور میں اس کا حل وہی ہے، جہاں سے بیمے کی ابتدا ہوئی تھی۔ مثلاً بسوں اور ٹرکوں کے مالکان ایک ایسی انجمن بنائیں، جس میں وہ ماہانہ چندہ اور عطیات ادا کریں۔ اس جمع شدہ رقم کو تجارت پر لگائیں، اور نفع تقسیم کرنے کی بجائے حوادث کی تلافی کے لیے مخصوص کر دیا جائے بلکہ حسب ضرورت اصل سرمائے سے بھی رقم استعمال کی جا سکتی ہے۔ کسی بس یا ٹرک کا ایکسیڈنٹ ہو جانے یا جانی نقصان کی وجہ سے کچھ معاوضہ ادا کرنا پڑے تو اس فنڈ سے ادا کر دیا جائے۔ اس طرح اصل سرمایہ بھی محفوظ رہے گا اور منافع کی رقم سے جو دوسرے مصیبت زدہ بھائی کی امداد و ہمدردی کی جائے گی،

اس کا بھی بالواسطہ ہر ایک کو فائدہ ہے۔

یہ طریقہ اس لحاظ سے بہتر ہے کہ حوادث پر کنٹرول کرنے کی فکر خود اس انجمن کو ہوگی۔ وہ خود ایسی تجاویز پیش کرے گی جس سے حادثات کم سے کم رونما ہوں۔ جبکہ بیمے کی صورت میں قطعاً یہ احتیاط نہیں کی جاتی۔ بلکہ بعض اوقات مارکان خود اپنی املاک تلف کرنے کا ارتکاب کرتے ہیں تاکہ وہ بیمہ کمپنی سے معقول رقم وصول کر سکیں۔ رہا قانونی گرفت کا سوال تو اس سے بچنے کی راہیں ملک کے نرم قوانین اور پھر وکلا کی موشگافیوں نے بہت حد تک ہموار کر رکھی ہیں۔

ایسی انجمنیں یا کمپنیاں جتنی زیادہ ہوں گی اتنا ہی معاشرے کی فلاح کے لیے بہتر ہوگا۔ کسی ایک مارکیٹ کے تاجر مل کر ایسی انجمن کی تشکیل کر سکتے ہیں۔ دوکانوں کو بھی بعض دفعہ آگ لگ جاتی ہے، کہیں ڈاکہ پڑ جاتا ہے تو ایسی صورت میں انجمن کے فنڈ سے تلافی کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح صنعت کار، کسان اور دوسرے کاروباری طبقے پیشے اور کاروباری اشتراک کو ملحوظ رکھ کر ایسی انجمن بنا سکتے ہیں۔

ہمارے خیال میں حکومت کو خود اس طرف توجہ مبذول کرنی چاہیے۔ مثلاً بس اور ٹرک مالکان کی انجمن بننے سے ٹریفک کے حوادث میں خاطر خواہ کمی واقع ہو سکتی ہے اور عوام کو ٹریفک پولیس کی رشوت اور چالان سے بھی نجات مل جاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دوسری صورتوں میں بھی عوام کی ذمہ داریاں بہت کم ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ وہ کاروباری لوگوں کو ایسی انجمنیں بنانے کے لیے قوانین بنائے

۳۔ متروکہ مال کی تقسیم میں گڑبڑ: ہمارے ہاں آج کل قانون وراثت رائج ہے۔ لہٰذا اگر متوفی کوئی غلط قسم کی وصیت کرے تو وہ قانوناً اور شرعاً دونوں لحاظ سے غیر مؤثر ہوگی۔ بیمہ کمپنی کی شرطیں شریعت کے قانونِ وراثت کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا اور چونکہ بیمہ کمپنی حکومت کی تحویل میں ہے، لہٰذا ایسی رقم جو کسی نامزد وارث نے بیمہ کمپنی سے حاصل کی ہو، اسے اس سے واپس لے کر قانون کے مطابق تقسیم کرنے میں سخت دشواری پیش آتی ہے، بلکہ یہ ایک ناممکن سی بات ہے۔

رہا بڑے بیٹے کے خود سر ہونے کا سوال، تو ایسی صورت میں شریعت میں "وصیت" کا انتظام موجود ہے۔ اگر ایسا خطرہ موجود ہو تو متوفی اپنی برادری کے کسی قابلِ اعتماد اور دیانت دار آدمی کو وصی مقرر کر سکتا ہے۔ اگر برادری میں ایسا آدمی نہ ملے تو کسی بھی معروف اور امین آدمی کو وصی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اگر مرنے والا خود کسی وجہ سے وصی مقرر نہیں کر سکا تو حاکم وقت یا اس کے کسی بھی نائب کو یہ حق دیا گیا ہے

کہ وہ وصی مقرر کردے۔

وصی کے باضابطہ فرائض ہیں اور وہ ان کے لیے جواب دہ ہے۔ وصی کے فرائض یہ ہیں کہ وہ ترکے کو حسبِ دستورِ شریعت تقسیم کرے۔ اور اگر وہ یہ دیکھے کہ بچے نادان، چھوٹے اور بے سمجھ یا حیاتش ہیں تو وہ ترکے کی رقم ان میں تقسیم نہیں کرے گا۔ بلکہ یہ متروکہ جائداد یا تو بیت المال میں جمع کرادے گا، یا خود اپنے پاس بطورِ امانت رکھے گا اور حسبِ ضرورت خرچ کرتا رہے گا۔ گویا وصیت کے نظام میں "ذمہ داریوں کے بیمے"، کا مکمل حل موجود ہے۔

"وصایا" کے نظم پر عہدِ نبویؐ اور دوسرے صحابہؓ میں برابر عمل ہوتا رہا۔ خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار یہ ذمہ داری قبول فرمائی۔ حضرت زبیر بن العوام اس "بارِ وصایت" کے اٹھانے میں بہت مشہور تھے۔ چنانچہ سات جلیل القدر صحابہ نے آپ کو وصی مقرر کیا تھا۔[1]

۴۔ پس ماندگان کی امداد ایسے یتیم اور بیوہ جن کی گزر اوقات کے لیے کچھ ترکہ نہ ہو، اسلامی نظامِ معیشت میں ان کے اخراجات کی ذمہ داری بیت المال پر ہے اور یہی ادارہ ان مشکلات کا موثر حل ہے۔ موجودہ دور میں اس کا حل یہ ہے کہ کاروباری انجمن کی طرز پر، پیشے کی سطح پر بھی ایسی انجمنیں تشکیل دی جانی چاہئیں۔ مثلاً مستری اپنی انجمن تشکیل دیں، باربر یا حجام اپنی، لوہار اپنی وغیرہ۔ یہ لوگ اپنے حلقۂ انجمن کو وسیع سے وسیع تر اور محدود سے محدود تر کرسکتے ہیں۔ اور ایسی انجمنوں سے، پس ماندگان کی وقتی امداد کے علاوہ کئی اور فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ یہ باہمی تعاون اور ہمدردی کی بنا پر قائم ہوتی ہیں۔ مثلاً یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کے روزگار کا خیال رکھنا اور ان کی شادی کا انتظام وغیرہ اور یہ ظاہر ہے کہ اتنے فوائد بیمہ کمپنی سے کسی صورت میں میسر نہیں آسکتے۔

---

[1] بیمہ زندگی۔ از مفتی محمد شفیع صاحب۔